

اگرچہ زیادہ تعلیم کا رواج نہ تھا۔ دکانداری، زمینداری، باب پچا کا معاش تھا۔ میزک ایف اے تک پڑھ کر لڑکے باپ کے ساتھ کام پہ لگ جاتے تھے لیکن لطیف صاحب کے بعد ان کا کاروبار تو ختم ہو چکا تھا اس لیے نور بی بی نے لن سے لیے کہہ اور ہی خواب دیکھ ڈالے اور ان کی قسمت کہ وہ پورے بھی ہو گئے۔ جاوید ان کا بڑا بیٹا مقابلے کے امتحان میں کامیاب کیا ہوا، ان کے تو گویا پیر ہی زمین پہ نہ تک رہتے۔ ویسے تو اس کی شادی کے ارمان تب سے ہی دل میں چل رہے تھے جب سے ایم۔ ایس۔ سی کے بعد وہ جاہ پہ لگا، لیکن پھر اس کے دل میں سی۔ ایس۔ ایس کرنے کا ارادہ جگ پانگیا، دو ڈھائی سال تک وہ ہاتھ ہی نہ آیا، بے چاری اماں جی خاندان میں اور خاندان سے باہر لڑکیاں ہی دیکھتی رہ گئیں۔ جیسے ہی امتحان میں شاندار کامیابی کے بعد اس کی تقرری ایک وفاقی ادارے میں ہوئی تو نور بی بی کی متلاشی نگاہوں میں بھی ایک لڑکی سامنے آئی۔ انزاج ان کے کرایہ داروں کی بسو کی بی بی تھی۔ اس کی شادی میں ہی دلہن کے پاس اسٹیج پہ چڑھ کے بیٹھی آبیوی رنگ کی سلک کی ساڑھی میں بلبوس، شاہانہ تمکنت کی حامل وہ بے انتہا حسین لڑکی انہیں فوراً ہی بھاگئی۔ اس کی سنجیدہ فطرت کو کم گوئی سے اس نے مزید متاثر کیا، وہ فوراً ہی اس کی خاندانی نجابت اور رکھ رکھاؤ کو بھی بھانپ گئیں۔

ادھر شادی کی تقریبات ختم ہوئیں اور نور بی بی اپنی اپری منزل پہ بیاہ کے آئی نئی نویلی دلہن سے رابطہ قائم کیا اور پھر اس کے توسط سے مہربان علی نیازی کے گھر رشتہ لے کے گئیں۔ ان لوگوں نے حقیقتاً ان کی جو تیاں گھسا ڈالی تھیں۔ اگرچہ مالی حیثیت میں وہ بہت بہتر نہ تھے یعنی رہیں رہیں نہ تھے لیکن تعلیم یافتہ تھے اس لیے رہن سہن کے لحاظ سے ان کا گھرانہ نور بی بی کے گھرانے سے بہت مختلف تھا۔

انزاج کے والد ریٹائرڈ جج تھے، والدہ پروفیسر، ایک بہن لیکچرر تھی، نو دوسری آرمی میڈیکل کالج میں پڑھ رہی تھی، ایک بھائی۔ مگر تھا اور دو بھائی سو فٹ ویئر کا

بزنس کر رہے تھے انزاج کا نمبر سیکنڈ لاسٹ تھا، اس نے حل ہی میں اپنا ایم بی اے مکمل کیا تھا اور اب شادی کی باری اسی کی تھی۔

گھر والے اپنے ہی جوڑ کارشتہ ڈھونڈ رہے تھے رکشے میں بیٹھ کر آنے والی، چکن کی بادیامی چادر کی بڑی سی بکل میں خود کو چھپائے وہ خاتون تو جیسے پیچھے ہی پڑ گئی تھیں، جن کے بقول ان کے مرحوم شوہر قسطوں پہ الیکٹرانکس کی چیزیں دینے کا کام کرتے تھے اور جن کا مزنگ میں دس مرلے کا دو منزلہ ”پکا“ مکان ہے جس کا ایک حصہ کرائے پہ چڑھا رکھا ہے۔ لیکن وہ جو ایک بات مشہور ہے تاکہ رشتے آسمانوں پہ طے ہوتے ہیں تو وہی ہوا۔

پھر پھر پھر میں تو نور بی بی نے انہیں اس حد تک متاثر کر ڈالا کہ وہ جان چھڑانے کے لیے ان کے ہاں آکر لڑکا دینے کی ہاں بھر بیٹھے۔ وقتی طور پہ تو نیازی صاحب نے ان خاتون کو صرف بلا لیا، تھا پھر جانے ہی میں کیا سمائی کہ بیگم کے ساتھ پرانے مزنگ کی اس بی بی کی گلی کے کونے بنے اونچے مکان پہ جا بیٹھے نور بی بی نے بیٹے کو بھی روک رکھا تھا۔ نیازی صاحب اس زمین آکٹھوں والے کم گو اور محنتی لڑکے کے ایک دم عاقل متاثر ہو گئے، جو سیلف میڈ تھا کسی حوالے کے بغیر کسی خاندانی پس منظر کے بغیر محض اپنی قابلیت سے ماں بولتے پہ اس اعلا عمدے تک جا پہنچا تھا۔ جس کی

ARDU PHOTO

یہ سادگی، نیازی صاحب اور ان کی بیگم کو بھاگئی۔ اگرچہ انزاج کے مہر بھائی نے بھی کئی فوجی گھرانوں میں لڑکے دیکھے رکھے تھے، لیکن رہن سہن کے سہراں میں بھی ایک ڈاکٹر کا رشتہ موجود تھا لیکن انہوں نے بی بی کے لیے نور بی بی کو ہاں کر دی۔ یہ تسلی بھی تھی کہ بی بی بیاہ کر اس پرانے محلے کے بجائے اسلام آباد کے پوٹس ایریا میں ایک بڑی سی سرکاری کونٹری میں جائے گی، جہاں شیفت، بٹلر، ڈرائیور، گارڈ، مالی اور ماسی سمیت ایک

اعلا اس کی خدمت کو حاضر ہو گا۔ نور بی بی اتنے اونچے گھرانے کی، بڑھی لکھی اور سین ڈیجیٹل ہو پا کر بھولے نہ ساری تھیں۔ ہسٹری پہ سرہاں جاتے ہوئے انہوں نے منگنی کے بجائے سرہاں شادی ہی طے کر دی۔ شادی کی تاریخ طے کرنے کے کچھ دنوں بعد کی بات ہے کہ چھوٹے بیٹے جرار کے دوست عمیر کی والدہ صفورا، نور بی بی سے ملنے آئیں۔

”میں نے سوچا، بہن سے پوچھ لوں۔ شادی کی تیاری کے سلسلے میں کسی مدد کی ضرورت ہو تو ہاتھ ہی بٹا دوں۔“

”یہ تو تمہاری محبت ہے صفورا، بہن! لیکن کام ہی کیا ہے۔ ویسے تو ظاہر ہے شادی بیاہ کے سو بکھیرے ہوتے ہیں لیکن جاوید نے مندی دلیمہ سب کسی ہوٹل میں کرنے کا بندوبست کیا ہے۔ ہاں بھی! ٹھیک بھی ہے اب میں اکیلی جان، خود وہ بھی سرکار کی نوکری میں دن رات مصروف، کون اتنا کام دیکھے، جرار تو خیر ہے ہی لاہر، تم جانتی ہی ہو۔ یہی بہتر ہے کہ سب تقریب ہوٹل میں ہوگی۔ نہ دیگوں والے سے پکوانی یہ بحث، نہ ٹینٹ قاتوں والے سے چیخ چیخ۔ اچھا رواج نکلا ہے یہ بھی ہوٹلوں کا۔ سارے جتن بھٹ سے نجات ورنہ نور بی بی کی شادی کے بعد دو ہفتے لگ جاتے تھے گھر صحیح کرنے میں۔“

”تو تم بھیک ہو لیکن یہ تو ماننا پڑے گا کہ شادی کی اصل روٹ اور برکت تو شادی والے گھر میں ہی دکھتی ہے۔ آہا۔ کیا شایاں ہوتی تھیں وہ بھی، سارا خاندان سینہ بھر پہلے، کٹھا ہوا کرتا تھا۔ خالائیں، چچیاں، تائیاں، بھابھیاں مل کر جینز اور بری کی تیاری کے لیے بازار چھانا کرتیں، گھر پہ درزن بٹھالی جاتی۔ سگی بہنیں اور رشتے کی بہنوں کے ساتھ ساتھ محلے بھر کی لڑکیاں بالیاں بھی اکٹھی ہو جاتیں۔ دن بھر چٹائی بچھا کر دیگوں کے لیے چاول پختے جاتے، مسالے پیسے جاتے، شام کو ڈھولک رکھ کے ٹنگن کے گیت گائے جاتے اور رات گئے تک بچیاں دلہن کے جوڑے

ہا نہیں دیتے ہیں۔ کرن کا تعلق شادی والے دن
آجمن میں ہنسیاں ہوتی ہیں۔ قاتل دو آدموں نے
شہید کی قبر پر پتھر ڈال دیا۔ وہ دوسرے دن سے آئی
دیں کی قبر پر پتھر ڈال دیا۔ وہ دوسرے دن سے آئی
آئی بارات کے ساتھ شہنائی اور بابت کی آواز۔ وہ
واہ کیا رونق لگتی تھی۔ پتا چلتا تھا کہ شادی ہو رہی
تھی۔

”اب یہ وقت وقت کی بات ہے۔ آج کل کس
کے پاس اتنا وقت کہ مہلے کی شادی کے کام کے لیے
سارا سارا دن وقف کیا جائے۔ ایک تو کم بخت مارے
استحسان ہی سارا سال ختم نہیں ہوتے۔ شروع سال
میں میٹرک کے بھری گریوں میں ایف اے کی اے
کے اور آخر میں اسکولوں کے ہو رہے ہوتے ہیں۔
جس گھر بھی شادی کا بلاوا دینے جاؤ یہی سننے کو ملتا ہے
بائے اللہ! یہ کن دنوں میں بیاہ رکھ لیا، پو کے چھٹی
جماعت کے سالانہ امتحان ہو رہے ہیں یا بی بی نے بورڈ
کا امتحان دیتا ہے۔ اب تو بہن کوئی گھڑی دو گھڑی کے
لیے شرکت کرنے تو بھی بہت ہے۔“

”خیر ایسے تو نہ کہو، ہم جیسے محبت کے مارے بھی
ہیں۔ چلو یہ مسئلہ تو تمہارا حل ہو، لیکن خیر سے بری تو
بنتا ہو گی۔ نئے زمانے کی لڑکی ہے، پڑھی لکھی اور
ماڈرن، ہم تم نجانے کیا بنا سکتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ
اپنی نزہت اور وہ جو جرار اور عمیر کا پرانا دوست ہے تا
حامد جو شارجہ چلا گیا ہے، اس کی بہن بھی کالج میں
پڑھتی ہے بڑی بھلی لڑکی ہے، یہ دونوں مل کر دلہن کی
شاپنگ کر لیں گی۔“

”اے بہن! تم پہلے کیوں نہ آئیں یہ کہنے۔ تم
سے میرے دل میں بھی یہی تھا کہ لڑکی کی پسند نجانے
کیا ہو اور میں ٹھہری سیدھی ساہی بوڑھی بیوہ
عورت۔ عرصہ ہوا ایسی خریداری کو۔ میری جانے با کہ
آج کل کپڑے کیسے پسنے جا رہے ہیں اور زیورات کیسے
پسند کیے جا رہے ہیں، وہی پیسے الیابا خریدنے میں
ضائع ہو جائیں گے، لیکن یہ خیال نہ آیا کہ تمہاری
بچیوں سے یا جاوید کے آیا اور ماموں کی بچیوں سے بری

ہوا اور۔ بس ہوتا ہے کبھی کبھی۔ معمولی کمالات
بھی بھائی نہیں دیتی۔ میں نے تو بھائی نیازی کو رقم تمہا
دی کہ بچی اپنی پسند سے بری کے اکیس جوڑے اور کتنی
سینٹ ڈالے۔ باقی بار سنگھار کی بھی جو خریداری کرنا ہو
کر لے۔ وہ تو لینے میں متامل تھے۔ آخر شریف خانہ والی
اور دنیچہ داروں ہیں ورنہ تو آج کل جہاں دیکھو لڑکی
خود بہن نہیں کے، دینے والے سرالیوں کے ساتھ
کپڑے اور زیور پسند کرتی پھر رہی ہوتی ہے۔ انہوں
نے تو خاصے ردو کہ کے بعد میری بات مانی۔“

”چھا۔“ وہ کہہ کر مایوس سی ہو گئی۔ ”پہلو
تمہاری مرضی لیکن پھر بھی نور بہن، میری فریب اور
حامد کی ہمیں آئیں گی ضرور تمہارے لیے۔ بھلے سارا
انتظام تم نے بانٹ دیا ہو لیکن سو کا۔ میں ہی اتنے ہیں
شادی وا۔ تمہیں اور کچھ نہیں دیکھنا چاہوں۔ ہا
کے ہی رونق لگائیں گی۔“

”ہاں ہاں جوں جوں جو بوم اللہ۔“ وہ خوش دلا سے
بولیں۔ ”تم جو آئیں ان کے بھائی کا گھر ہے۔“
”ایک بات کہوں بہن، کئی دنوں سے دل میں آ رہی
ہے۔“ عفو را نے ذرا آگے بڑھ سکتے ہوئے تمہید
باندھی۔

”کب سے پہلی جان بیٹے اور گھر کو سنبھال رہی
ہو۔ اب تمہاری عمر آرام کرنے کی ہے۔ بیٹے بیاد کر
عورتیں بھی سیکھ تو پاتی ہیں کہ گھر سنبھالنے والی آگنی
ہے اب بے فکری کے دن شروع۔ لیکن تم تو آگیا
اکیلی رہو۔ جاوید کو لے کر ایک ہی ہفتے میں
اسلام آباد چلا جائے گا۔ کہیں تو ہو گا کوئی سکھ نہ ملے
گا۔ اب کوئی عمر ہے تمہاری باورچی خانہ سنبھالنے
کی۔“

”اے تو کیا کروں۔ اپنے آرام کی خاطر دلہن کو پاس
رکھ لوں تو بیٹے کا گھر سامنے کا کیا فائدہ۔ جاوید کہہ رہا
تھا کہ ملازم رکھ دے گا۔“

”اللہ نصیب اچھے کرے اس کے، بڑا ہی سعادت
مند بچہ ہے۔ لیکن ملازم کے سہارے گھر تو نہیں چلتے
بلکہ یہ کل وقتی نوکر تو زبردستی ہی ہے اور عذاب۔“

وقت اسے بدایتیں ہی دیتے رہو اور داغ کھپاتے
رہو۔ میں تو کبھی ہوں جرار کا بیاہ بھی کر دو۔ دونوں
بانیوں میں سل بھر کا ہی تو فرق ہے اور اب وہ بھی
نوکری سے لگ گیا۔ سل بعد اچھے مہینے بعد جو پھر
کے کھراگ ہانگی۔ لگے ہاتھوں دونوں بھائیوں کا ساتھ
ہی نمانا۔ ایک چلی جائے گی، دوسری تو گھر میں رونق
ہی نمانا۔ عفو را کی تجویز پہ نور بی بی ہنسنے لگیں۔

”بات تمہاری سولہ آنے درست ہے۔ لیکن بہن
جاوید کی بات بھی مقرر ہو گئی ہے اب ساتھ ساتھ بیاہ
ہو سکتی ہے۔ لیکن سوچا تم نے خوب ہے پہلے یہ بات
داغ میں آئی تو لڑکی دیکھ لیتی اب تو یہی ہو سکتا ہے کہ
اس شادی کے فوراً بعد جرار کے لیے لڑکی دیکھنا
شروع کریں۔“

”تم تو ہمیں اپنا ہی نہیں سمجھتیں، کسی لائق
بانی ہی نہیں اسی لیے کوئی کام نہیں کرتیں۔ لیکن
میرے لیے جیسا عمیر و سیا ہی جرار۔ تم اشارہ کرو تو
ایک سے ایک لڑکی دیکھا دوں۔ کئی نگاہ میں ہیں۔ تم نے
تو پہلی سو ڈھونڈنے میں بھی دو سال لگا دیے۔“
”وہ تو تجھ سے تم لڑکی پسند کر لو گی لیکن کون سے
لڑکی والے ہیں جہاں تم وقت میں شادی پہ تیار ہو
جائیں۔“

”وہ تو تمہارے لیے ہے۔ تمہیں بس مجھے۔“ اس درجہ
اصرار پہ نور بی بی ہنسنے لگیں۔ ”کہہ لڑکی دیکھ بھال رہا ہے؟“
”ہاں، وہ تو جاوید کی بہن۔ اچھے۔ تم کبھی کسی آئی
جاتی ہی نہیں ہو ورنہ حامد کے بڑے بھائی کی شادی پہ
دیکھ لیتیں۔ اتنی پیاری اور ہنس کھنکھتی ہے۔ پڑھی
لکھی بھی ہے، گھر میں بھی بڑا اچھا اور
ملنسار ہے۔“

”ہاں، حامد کی والدہ سے تو کئی بار ملنا ہوا ہے۔ اچھی
عادت کی عورت ہے لیکن یہ لڑکی۔ بھلا کیا نام بتایا
ہے تم نے۔“

”اچھے۔۔۔ سچی بڑی پیاری ہے۔ میرے عمیر کی
نوکری لگ گئی ہو تو میں ہی مانگ لیتی۔ اب وہ تو لڑکی

بیانے پہ تکتے بیٹھے ہیں اس سے چھوٹی تین بہنیں اور
جو ہیں۔ اسی سل اس نے لی۔ اے کیا ہے اور میں باپ
تب سے اچھے گھرانے کی تلاش میں ہیں۔ اتنی اچھی
لڑکی کے لیے رشتے بہتر ہے۔ کہیں کوئی اور نہ لے
اڑے۔ تم بس میرے ساتھ چل کر دیکھ لو۔ باقی انہیں
تاریخ دینے پہ آمادہ کرنا میرا کام ہے۔“

نور بی بی شاید کچھ اور پس و پیش کرتیں لیکن جرار
کے دے الفاظ میں کہنے پہ بھانپ گئیں کہ اس رشتے
میں سراسر اس کی اپنی ذاتی پسند شامل ہے اور یقیناً
اس کے زور دینے پہ ہی عمیر کی والدہ انہیں ہموار
کرنے آئی ہیں۔ بیٹے کی خوشی کی خاطر سمن آباد میں
نے اس مختصر مگر خوبصورت سے آراستہ گھر میں پہلی
بار گئیں اور اچھے کو دیکھتے ہی پسند کر لیا۔ نا پسند کرنے کی
کوئی وجہ بھی نہ تھی۔ ایک سو ہو جاتی گھسا کے پسند کی
تھی اور اب گھر گھر لڑکیاں کھانے کا کوئی ارمان باقی رہا
تھا نہ دم نہ بیٹھے۔ بھائے اچھے شریف گھرانے کی
خوش شکل و خوش اطوار سی بچی مل رہی تھی تو کس لیے
میں میخ نکالتیں۔ جھٹ پٹ رشتہ طے ہوا اور دونوں
بھائیوں کی شادی آگے پیچھے مقرر ہو گئی۔

بہت سی وجوہات تھیں جس کی وجہ سے دونوں کی
شادیاں ایک ہی دن مقرر نہ ہو سکیں۔ اچھے کے والدین
نے برات کے لیے ہال کا انتظام کر لیا تھا، لیکن مندی
کی تقریب کا انعقاد انہوں نے گھر پہ کیا تھا جبکہ جاوید
کے سر نے تمام تقریبات ہوٹل میں رکھی تھیں۔
اس لیے ایک دن جاوید کی مندی رکھی گئی دوسرے دن
جرار کی۔ تیسرے دن جاوید کی برات پی سی گئی اور اگلے
دن دوسرے کے لیے کے بعد رات کو جرار کی بارات
ردانہ ہوئی۔

اسی طرح اور بھی بہت سی وجوہات تھیں جن کی
وجہ سے شادی والے دن سے لے کر اگلے ایک ہفتے
تک نور بی بی کے دل میں دونوں دلہنوں کے لیے الگ
الگ تاثرات پیدا ہوئے۔ واضح طور پہ ان کا جھکاؤ اور

ہندہ کی بڑی بڑی سو کے لیے...
 لی۔ کی میں بارات کے ساتھ آراستہ اور ڈنر کے
 بعد انہیں جشنِ رادی کے ایک درمیانے درجے کے
 سین ہل میں چھوڑے جینے کی بارات لے جانے میں
 ذرا مزہ نہ آیا۔ بڑی دلہن کی والدہ نے انہیں ہسٹاؤٹی میں
 پانچ عہدہ ہونوں کے ساتھ شیری شال اسپورٹس سونز
 اور سونے کے دو ہماری کتنن بھی چڑھائے جبکہ چھوٹی
 دلہن کی والدہ نے دو سونوں کے ساتھ ہاتھ کا پنا سو ستر اور
 بڑھنے والے کی جھیکیں پیش کیں۔ نور بی اگرچہ اتنی
 سستی سستی کی نہ تھیں مگر ان کے خیالات کا رخ اس
 طرف موڑنے میں مہمان رشتہ دار خواتین پیش پیش
 رہیں۔ جرار کی بارات والے دن ہی انہوں نے کل کی
 تقریب کا موازنہ آن کی تقریب سے شروع کر دیا۔
 ”نور آیا! یوں تو ہوسو میں دونوں ہی خوب ڈھول نکالیں
 تم نے مگر سہ حیانہ تو ایک ہی کام کا چنا۔ جاوید کی
 سسرال والے تو بڑی اونچی چیز دیکھتے ہیں۔“ ایک رشتے
 کی بہن بولیں تو دوسری طرف نندنے تائید کی۔
 ”اور کیا؟ کہاں کل کی پروتار تقریب کہاں یہ روکھا
 پھیکا انتظام۔ جاوید کے سرالمیوں نے بڑا دل کیا تھا۔
 باوردی و ستر ٹرے لے لے کر سوپ، آئس کرم بیٹھے
 ہوئے مہمانوں کے آگے پیش کرتے رہے۔ اور کھانا
 بھی کیا پائے کا تھا۔ چائز اور میٹھے میں بھی دو ڈشیں
 تھیں۔ پھر کھانے کے بعد سبز چائے پیئے ہوئے گل ہما
 اور شاہدہ منی کے گلے سننے میں کتنا مزہ آیا تھا۔ ہائے
 اللہ میں نے بس یہ وہ چاہا تھا کہ یوں ان کے سامنے بیٹھ
 کر ان کا پروگرام دیکھوں گی۔“
 ”کلڈوم ایہ تو اپنی اپنی حیثیت کی بات ہے۔“ ہفورا
 نے اس چچھوری سی خاتون کو پسندیدگی سے نکتے
 ہوئے کہا۔ ”افراج کے گھر ماشاء اللہ خاصی خوشحالی
 ہے۔ باپ ساری عمر اتنے اونچے عہدے پر فائز رہا۔
 بھائی بھی اللہ رکھے سارے ہی کھاتے کھاتے ہیں۔ چچا
 آیا بھی ٹھیک ٹھاک حیثیت والے ہیں۔ سنا ہے یہ
 موسیقی کارو گرام ایک تیار ہوا بھائی نے اپنے خرچے
 لکھنا کرایا ہے۔ اجیہ کا گھر انہ بھی گرا پڑا نہیں لیکن

ہمارے تمہارے جیسے متوسط لوگ ہیں۔ پھر بھی میں
 کہتی ہوں اپنی حیثیت سے بڑھ کے ہی دیا ہے۔
 رکھو تا پ ریناز ڈنر ہے اور بھائی ایک ہی ایک ابھی
 اتنے کھاتے عرصہ ہی کھاتا ہوا ہے پھر بھی دل کھول کر
 خرچہ کیا ہے حالانکہ تین چھوٹی اور بھی ہیں۔“
 ”اور نہیں تو لڑکی سے غرض۔ شکر ہے چل
 و صورت، اعلیم اور عادتوں میں کسی سے کم نہیں۔“
 دل ہی دل میں اجیہ کا شکار ہوتی نور بی نے تمام
 فضول خیالات کو جھٹکتے ہوئے ذہن صاف کرنے کی
 کوشش کی، لیکن چند ہی دنوں میں ان کی یہ کوشش ان
 کا منہ جزا رہی تھی۔ اجیہ کی عادتیں۔ وہ اتنی عجیب
 وغریب اور اماں جی کے لیے اس قدر بے وقعت تھیں کہ
 وہ تو ہکا بھکا گئیں۔
 ”وہ لے لے روز ہی وہ سارے گھر میں پھرتی پھرتی
 رہی تھی اور ہر گھر ہر گھر سے بھانکتی مہمانوں سے
 پتہ چھٹی کر کے لڑکی کے کھانا بھائی۔ انہوں نے ایک
 نظر افراج کو دیکھا۔ اجیہ سے تو ایک دن پرانی بھی تھی،
 لیکن ابھی تک چپ چاپ سر جھکائے ایک طرف
 بیٹھی تھی۔ اٹھنے کو کہا جاتا اٹھ کھڑی ہوتی گھرے میں
 جانے کو کہا جاتا آہستہ آہستہ چلتی۔ اگرچہ بڑی بھابھی
 کی حیثیت سے وہ جرار کی بارات میں بھی جا چکی تھی
 لیکن اس کی شرم و جھجک کا وہی عالم تھا جبکہ اجیہ و لے
 والے روز اس پر چڑھی بیٹھی بیڑ پڑ اپنے میاں سے
 باتیں بگھار رہی تھی۔ سامنے بیٹھی اپنی کزن اور
 دوستوں کے ساتھ وہیں بیٹھی بیٹھی بیٹھی کر
 رہی تھی۔ بیٹے کے ساتھ اس کی بے تکلفی دیکھ کر نور
 بی نوراً بھانپ گئیں کہ جرار کی یہ پسندیدگی یک
 طرفہ نہیں ہوگی بلکہ ہونہ ہو دونوں کا چکر کانی عرصہ
 سے چل رہا ہوگا۔ ورنہ ایک ہی دن میں کسی دلہن کو اتنا
 بے تکلف انہوں نے ابھی تک نہ دیکھا تھا۔ اس راز
 کے آشکار ہوتے ہی ان کا دل اس دلہن سے اور بھی
 پھیکا ہو گیا جو بھائی کے دست سے معاشقہ چلاتی رہی
 تھی۔
 گزرتے دنوں نے انہیں اجیہ سے مزید بے زار کرنا

شروع کر دیا۔ افراج تو شادی کے چھٹے روز میاں کے
 ساتھ اسلام آباد روانہ ہو گئی تھی۔ ان چھ سات دنوں
 میں بھی اس کی شرم و جھجک کا وہی عالم تھا جس پر اہل
 بی داری صدمتے ہوئی رہیں جبکہ اسی ایک ہفتے کے
 دوران اجیہ نے محلے تک میں دوستانہ اور سہناپا جوڑ لیا۔
 ذیڑھ مہینے بعد اپنے پندرہ روزہ ہنی مون سے واپسی
 جاوید افراج کو پھر سے دس دن کے لیے لاہور چھوڑ
 ٹیک آوا دقت اس نے میکے میں گزارا اور آدھا
 سسرال۔ اگرچہ اب اس کا گریز کم ہو چکا تھا لیکن اجیہ
 والی بے تکلفی اور بے دھڑک انداز اسے چھو کر نہ
 گزرا تھا۔ اماں جی اس پر غار ہو جاتیں جب وہ
 مسکن لبوں میں بھر کر شرماتے لجاتے اپنے شوہر کو جاوید
 بی کہہ کر مخاطب ہوتی جبکہ اجیہ نے آپ جناب کا کوئی
 تکلف نہ رکھا تھا۔ وہ شروع دن سے میاں کو نام لے کر
 تھابہ لگتی۔ لیکن حقیقتاً ”ساس بہو کا ٹکراؤ ہونے
 کی اس لیے ایک ٹیٹ نہ آئی تھی۔ غنیمت کہ وہ اپنی
 بد تمیزیاں میاں تک محدود رکھتی۔ ساس کا مقدور بھر
 احرام کر رہی تھی اس لیے طوعاً ”کریا“ وہ اس منہ
 پھٹ اور دیکھ ہوائی بسو کو برداشت کر رہی تھیں۔ جوان
 تمام تر گھڑو اور واس کے پسندیدگی کے اظہار کے
 پورے دل بھر ان کے سر پہ اپر رہتی اور ادھر ادھر کے
 نکتے نکتے کر انہیں بے زار کر دیتا تھا۔

یوں تو اجیہ کو جتنا ڈونگاتے اور برتن دھوتے وقت
 کچھ نہ کچھ گنگانے کی عادت تھی ہی لیکن اس وقت
 لے سے باس سے جالے اتارنے ہوئے اس نے جو
 بڑھد گانا گانا شروع کیا تو اسے سنتے ہی جرار نے برا سا
 منہ بنا کر کانوں کو ہاتھ لگائے اور توبہ استغفار شروع کی۔
 نور بی نے کڑی نظروں سے بیٹے کے اس ”ناکافی“
 رد عمل کو گھورا۔ اجیہ نے مڑ کر شوہر نامہ دار کو چھٹی
 نگوں سے دیکھا۔ پھر شانے اچکا کر دوبارہ کونے

کھدوں سے جالے صاف کرنے میں مشغول ہو گئی۔
 کھانے کے بول اب بدل چکے تھے، لیکن آواز سے
 بلند تھی اور جرار کا رد عمل بھی پہلے سے بڑھ کر اکسا
 دینے والا تھا۔
 ”ڈھولا۔ دے گل سن ڈھولا۔“
 ”ہائے ڈھولا۔“
 ”نہ نہ تم تو یوں کہو۔“ جرار نے اخبار تہہ کر
 کے ایک طرف رکھی اور کمر کس کے میدان میں اُترا۔
 ”ڈھولا۔ اوئے پھٹے ہوئے ڈھولا۔“ اس نے
 ”ساجن“ کے خوبصورت پنجابی ورڈن ”ڈھولا“ کو
 سراسر دسرا مطلب دیتے ہوئے اسے پھٹے ہوئے
 ڈھول سے تشبیہ دی۔
 ”تو تم کون سا“ سارے ہوئے ڈھول“ ہو۔ تمہارا منہ
 نکلنے کی دیر ہوتی ہے کہ ایک شور برپا ہو جاتا ہے۔
 تمہاری تو صرف ایک ہلکی سی معمولی پنچلی بھی اظہار کا
 اعلان کرنے والے سائرن جیسی ہوتی ہے۔“
 ”اجیہ! اماں کے صبر کا یہاں لبریز ہو گیا تو پکار
 بیٹھیں۔“ کچھ دوپہر کے کھانے کی فکر بھی ہے یا نہیں،
 چھٹی کا دن ہے لیکن کھانے پینے کی چھٹی تو نہیں۔ جاؤ
 جا کر کچن کی خبر لو۔“
 ”جی اچھا اماں!۔“ وہ باس ایک طرف رکھ کر سر
 پہ ماسیوں کی طرح کس کر لیٹا دوپٹہ کھولنے لگی تو جرار
 شہا کر بولا۔
 ”بجائے اس کے کہ چھٹی والے دن چھٹی بیویوں
 کی طرح اپنے شوہر کے لیے نت نئے کھانے بناؤ، صبح
 سے ان بے چارے کیڑے مکوڑوں کے گھروندے
 ملیا مینٹ کرنے میں لگن ہو۔“
 ”یہ ناجائز تجاوازا ت ہیں۔“ بڑی سنجیدگی سے مطلع
 کیا گیا۔
 ”آپریشن کلین اپ سے فرصت ملے تو ایک نظر
 میرے بے چارے سے چہرے پر بھی ڈال لو۔ دوپہر
 کے کھانے کی آس میں لٹک لٹک کر اتر سا گیا ہے۔“
 ”چڑھا کب ہوتا ہے؟“ وہ بڑبڑائی۔
 باتوں کے جواب ہی دیتی رہنا یہ مت کرنا کہ

رہتی۔ بس بادوں کے اندر ہی دھماچو کڑی بجائے رکھتی ہیں یہ جو نہیں۔ حد ہے دیدہ دلیری کی۔ یعنی دن دہاڑے خود کو حسین و جمیل کہا جا رہا ہے۔ یا خدا۔ یہ زمین پھٹ کیوں نہیں جاتی۔

”زمین کا تو پتا نہیں مگر تمہارا سر ضرور پھٹ جائے گا میرے ہاتھوں۔“ اب کے اجیہ وانہو ہاتھ میں تان کر آگے بڑھی تھی اور ٹھیک اسی لمحے اماں جی کے اندر کی ساس پوری آب و تاب کے ساتھ جوان۔۔۔ بلکہ جوان جہان ہو گئی تھی۔

”عقل کرو اجیہ۔! رکھو اسے کیا بد تمیزی ہے یہ؟ کتنی بار کہا ہے تم دونوں کو کہ تمیز کے دائرے میں رہ کر گفتگو کیا کرو اور اگر اتنا ہی دشوار لگتا ہے جاے میں رہنا تو اپنے کمرے تک محدود رہا کرو۔ اس طرح صحن میں بیٹھ کر سارے محلے کو مت سنایا کرو۔ کیا کہتے ہوں گے آس پڑوس والے کہ کتنی لمبی زبان ہے ان لوگوں کی عورتوں کی جو یوں مردوں سے منہ ماری کر رہی ہیں۔“

”سوری اماں جی!۔۔۔“ وہ لپک کے آئی اور جھٹ سے نور پیلہ بی کے گلے میں پانہیں ڈال دیں۔ ”ویری ویری ویری!۔۔۔ واقعی مجھے خیال نہیں رہا، پلیز بس بار بار۔۔۔ بس بار معاف کر دیں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“

وہ گال سے مٹھی ملائے کھانا نے لگی اور نور بی بی کے پاس بوجبز ہو کہ رہ گئیں۔ کتنا لپ چاہتا تھا اس بد زبان کی ٹھکانی کرنے کو۔ اور کبھی کبھی تو انہیں قسمت سے موقع مل بھی جاتا لیکن ابھی وہ شروع ہی ہوئیں کہ اجیہ معصوم سی صورت بنائے، سوری کہتے ہوئے ساتھ لیٹ جاتی۔ ”کم بخت ایسی فرشتہ صورت بن جاتی ہے دیکھتے ہی دیکھتے اور زبان بھی میٹھی کر لیتی ہے، سارے ارمان دل کے دل میں ہی رہ جاتے ہیں۔“

”اچھا بتائیے، کیا پاؤں، مچھلی کو مسالہ لگا کر رکھا ہوا ہے، وہ تل لول۔ یا پھر ایک اور آسان سی ترکیب ہے اور وہ یہ کہ مولی کدو کش کروں آلو بالوں۔ اور مولی اور

کچن میں جا کر بانڈی ذولی کو استہیل میں اڈو۔ بھوک سے پینٹ میں چوہوں کا نور ٹامنٹ شروع ہو چکا ہے۔“

”اے میرے خدا!۔۔۔ مانتی ہوں، پکانے میں دیر ہو گئی ہے۔ اماں جی، نوکیں تو بات کبھ میں بھی آتی ہے۔ ان کا ناشتہ چھٹی کا دن ہو یا عام دن، چائے کے ایک کپ کے ساتھ بان بواکل انڈہ اور دو بسکٹ کے تان پتا نہیں ہوتا، لیکن غضب خدا کا تم نے میری آنکھوں کے سامنے پورے ساڑھے تین پرائٹھے، دو انڈوں کے پلیٹ کے ساتھ ڈکارے تھے اور ہاں وہ اتنا لمبا جگ۔۔۔ تھی لہی سے بھرا ہوا۔۔۔“

”بائے ہائے۔۔۔ یوں منہ بھر کے۔۔۔“

اماں جی نے ہول کر بہو کو ٹوکنا چاہا تھا لیکن جس طرح نقار خانے میں کوئی بلوٹھی کی نہیں میں کو لفٹ نہیں کراتا اسی طرح جیرار اور اجیہ کی تکرار میں ہمیشہ ان کی آواز سب جاتی تھی اس وقت بھی ان کی بات کھل بولنے سے ہی جیرار شرمیں ہو گئی تھی۔

”تب ہی تم میرے سامنے۔۔۔ رہتی ہو۔۔۔“

جو گناہ وہ پورے وزیر خوراک۔ ایک چھٹی کے دن ہی تو پرائٹھا کھانا ہوں ورنہ ہفتے کے چھ دن وہ چلے ہوئے ٹھنڈے ٹوسٹ، جو کسی بھوسی نکلے والے کی بوری میں سے نکالے گئے تھے، اور وہ عجیب و غریب کسی شکل و صورت والا فرانی انڈہ، جس کو دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسے معرض وجود میں لانے والی مرغی کا موڈ اس وقت کتنا خراب ہو گا۔

”ہو گا اس کا مرغا بھی تمہاری طرح جل کڑا۔ جب ہی بے چاری کا موڈ بگڑا ہو گا۔“ وہ لفظ چبا چبا کے بولے۔

”میں اور جل کڑا۔۔۔! ذرا ہوش کے ناخن لو اجو رانی!“ وہ اسے چڑانے کو ہمیشہ یہی خطاب دہراتا۔

”خدا کا شکر ادا کیا کرو کہ اتنا خوش مزاج اور ہنس مکھ شوہر ملا ہے۔“

”تم کب شکر ادا کرتے ہو، اتنی حسین و جمیل بیوی ملنے پر۔“

”ہزار بار کہا ہے مگر تمہارے کان پہ جوں نہیں

”میرا منہ مت نھلو اور صفورا! اس رہنے دو اس ذکر کو۔ کیسی خوشی اور کیسا سکون۔“

اچانک ہی نور بی بی کو منہ میں بھرا جائے گا گھونٹ کڑوے کیلے جو شاندارے جیسا لگنے لگا۔ ہوا صرف یہ تھا کہ صفورا ان سے پوچھ بیٹھی تھیں۔

”کیوں نور! اب تو خوش ہونا تم کیسی رونق مٹی ہوئی ہے گھر میں سو کے دم سے نہ جاوید ولسن لے کر چلا جاتا تو تم مجھے کھیاں مارتی رہتیں۔“ اور ان کے فقط اتنا کہہ دینے کی دیر مٹی کہ نور بی بی کے منہ کے زائے بگڑنے لگے۔ جائے کا بردا سا گھونٹ زہر مار کرتے ہوئے وہ ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں سنانے لگیں۔

”خاک رونق لگنی ہے۔ ہاں البتہ محلے والوں کے ہاتھ اچھا تماشا لگا۔ دن میں کئی کئی بار مفت کا شوق دیکھنے آتے ہیں اور بیٹی نکالے واپس جاتے ہیں۔ توبہ توبہ کبھی اس گھر میں یوں دنگل نہ ہوئے تھے۔“

”ہیں ہیں۔ کیے دنگل۔ کیا اجیہ تم سے ابھتی ہے بد زبالی کرتی ہے۔ یقین نہیں آتا۔“ وہ متعجب تھیں۔

”مجھ سے ابھنے کی فرصت تو تب ملے اس کٹ کھنی ملی کو جب وہ اپنے بے چارے میاں کی جان بخشی کرے۔ ہائے میرا بچہ۔ پسند کی شادی کو بھگت رہا ہے۔ کیا بتاؤں صفورا! کیا کیا صلواتیں نہ سناتی ہے وہ۔ زبان ہے کہ نیچھی۔ مہر جھاکے وہ گیا ہے میرا جرار۔“ وہ دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کے سسکنے لگیں۔

”ایسا بھی کیا آسمان ٹوٹ پڑا۔ من! جو یوں آپہں بھر رہی ہو۔ جرار کی محنت تو ماشا اللہ پہلے سے اچھی ہو گئی ہے۔ رسول آئے تھے دونوں میاں بیوی گھڑی بھر کو ملنے کے لیے۔ ایمان سے میں تو نظرس ہی اتارتی رہ گئی۔ کتنا روپ چڑھا ہے اجیہ کے چہرے پہ اور کتنی آسودگی تھی جرار کی شکل پہ اور تم کہتی ہو کہ۔۔۔ جرار تو اپنے منہ سے کہہ رہا تھا کہ صفورا خالہ آپ نے زندگی سنو اردی۔ اگر آپ ماں جی کو رضامند نہ کرتیں تو آج

نجانے کس کے ساتھ کیسی زندگی گزر رہی ہوئی۔ نور بن! یہ تو بے مثل جوڑی ہے، چاند سورج کی۔“

”آگ اندھا ایک کوڑی۔“ بے حد جل کے نور لبیلی نے لقمہ دیا۔

”نیری سمجھ سے باہر ہے تمہیں یہ غلط فہمی کیل کر ہوئی کہ دونوں ایک دوسرے سے خوش نہیں۔“

”میں تو صرف اپنے معصوم بچے کی بات کر رہی ہوں۔ بھلا کون مرد ایسی بی زبان والی بد مزاج عورت کے ساتھ خوش رہ سکتا ہے۔ رہی نور بی بی تو وہ بھلے ظاہر نہ کرے، لیکن اندر سے تو بڑی خوش ہوگی کہ کیسا کایہ کا الو مرد ملا ہے۔ اگر جرار اپنے مر۔۔۔“

”نیری سمجھ سے باہر ہے تمہیں یہ غلط فہمی کیل کر ہوئی کہ دونوں ایک دوسرے سے خوش نہیں۔“

”تم آگلی تھیں تو کون اتنا زیادہ آجاتا رہتا تھا اب تو ماشا اللہ کبھی کوئی کھیر لیے آ رہا ہے کوئی کڑھی پکا کر۔۔۔ سب تمہاری بہو کی لفسار اور ہنسوز طبیعت کی وجہ سے ہے۔“

نور میں تو صاف کہتی ہوں۔ حامد کی ماں نے کوڑی کی زیت نہیں کی اپنی بی بی کی۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ جرار کی بی بی عیلت بننے بنانے کی ہے اسی لیے تو بری بھلی نبھتی رہی ہے۔ لیکن سوچو اگر کوئی مزاج دار مرد مل جاتا تو یہ ممکن نہ ہوتا۔“

”نیری سمجھ سے باہر ہے تمہیں یہ غلط فہمی کیل کر ہوئی کہ دونوں ایک دوسرے سے خوش نہیں۔“

”نیری سمجھ سے باہر ہے تمہیں یہ غلط فہمی کیل کر ہوئی کہ دونوں ایک دوسرے سے خوش نہیں۔“

”نہیں نہیں،“ عیسیر کے دوستوں کی دعوت تھی نے دیکھو الے کا بندوبست کر رکھا تھا، تنجن اور نور۔ من رہا تھا میں نے اجیہ سے حلوہ پوری کی فرمائش کی اور یقین کرو ایسی خست پوریاں اس آگلی لڑکی نے کھیں، ایسا سوندھا سوجی کا حلوہ بھونا اور ایسے چٹ پٹے بننے آکو پکائے کہ سب انگلیاں پلٹتے رہ گئے۔ سارا تو رومہ اور تنجن دھڑکے کا دھرا رہ گیا۔“

”ماں جی! ذرا یہ سکیہ تو کھاؤ۔“ اس نے نماز کے بعد وظیفہ پڑھتی ماں جی کو بری طرح چونکا کے رکھ دیا۔

”سکیہ۔؟ وہ کیوں بھلا! ماؤلی ہوئی ہو؟“

”وہ میرا مطلب ہے یہ سکیے کے ساڑھ کا کور۔ بیڈ شیٹ سینی تھی سوچا آپ سے صحیح ٹاپ کے سکیے کٹوا لوں۔ میرا مطلب ہے کور۔“

”اے لو، تمہیں غلاف تک کی کٹ چھانٹ نہیں آتی۔ ہم نے تو سن رکھا ہے بڑی اچھی سلائی جانتی ہو۔“

”کر تو لیتی ہوں ماں جی! لیکن میں نے سوچا آپ کے ہاتھ میں زیادہ صفائی ہے۔ زیادہ اتھے نہیں گئے۔“

”نور بی بی چکنی چپڑی سا کر تم میری ماں سے مشقت کراتی رہتی ہو۔“

جرار نے چھت سے پٹنگوں کا انبار لے کر نیچے اترتے ہوئے کہا۔ اتفاق سے آج بھی چھنی کا دن تھا اور چونکہ بسنت کی آمد آمد تھی اس لیے ناشتے کے بعد سے ہی وہ چھت پر اپنا پٹنگ بازی کا شوق پورا کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کئی چھنوں سے نور بی بی دونوں کی لڑائیوں سے محفوظ تھیں۔ دو تین بار چائے اور کینو وغیرہ لے کر اجیہ بھی اور گئی تھی اور بے شک دس بارہ منٹ بعد واپس آگئی تھی لیکن نور بی بی جانتی تھیں وہ چونچ لڑانے کا اپنا مشغل زیادہ دیر ترک نہیں کر سکتی وہ ٹکس کر سوچتی رہ جاتیں کہ آس پڑوس کی چھتوں پر چڑھے لوگ ان کی تو تو میں میں کو کیا رنگ دے رہے ہوں گے۔

”کوئی کام تم سے مکمل ہو نہیں پاتا، لے کر میری ماں کے سر پہ سوار رہتی ہو۔ بے چاری اس عمر میں بھی تمہارا پھوٹن بہکتی رہتی ہیں۔“

جرار کا یہ جملہ نور بی بی کو بڑا بھلا لگا۔ بے چاری سی شکل بنا کر قینچی سنبھال لی۔

”کیا ہر وقت میری ماں، میری ماں کرتے رہتے ہو۔ اب یہ صرف اور صرف میری ماں ہیں۔ میرا پورا

حق ہے ان پہ۔ تم بھی تو ساری مرلا ذرا نمواتے رہتے ہو۔
اب میری باری ہے میں اہل حق سے جو دل چاہے گا
کہ دوں گی۔ اور تم دیکھنا اہل حق سے سیکھ سیکھ کر ایک
دو سال تک میں اتنی برتن مولانا ہو جاؤں گی کہ تمہیں
مجھے پھوڑنے کی ہمت تک نہ ہو سکے گی۔

”ہمت اچھے۔“ نور بی بی اس کے مکر اور چالپوسی
تھلانے کے باوجود داد دینے پہ مجبور ہو گئیں۔ ”اچھا
گھراٹہ سے کام نکلوانے کا۔ لاڈ رانی! کیسے ترسی بیٹھی
ہے۔ لے لے نرا ڈھونگ۔“

وہ اور بدگمان ہو گئیں اور پکارا کہ اس کے
جہاں میں نہیں پھنسیں گی ورنہ وہ تو یوں ہی چکنی چپڑی
کر کر کے ان سے سارے گھر کی چاکری کر دیا کرے
گی۔ انہوں نے سنجیدگی سے جاوید کے گل کے فون
کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا جس میں اس نے
باقاعدہ مٹیں کر کے ماں کو اسلام آباد بلایا تھا۔ وہ سخت
ناراض تھا کہ شادی کے بعد اب تک وہ کئی بار بیوی
سمیت لٹنے آچکا ہے مگر اب ایک بار بھی ان دونوں کے
بزار بلانے کے باوجود وہاں نہیں آئیں۔

”چند دن رہ ہی آؤں۔ اس کے مکر اور چالاکوں
سے تو جان چھٹی رہے گی لیکن نہیں۔ جو بھی ہے
میرا ذرا تو لحاظ ہے ذرا میں گھر سے نکلی یہ اور بے لگام ہو
جائے گی۔ چیتھڑے اڑا کے رکھ دے گی بے چارے
جرار کے۔ اسے سگنی کا تاج نچا دے گی۔ نہیں
نہیں۔ میں نہیں جانے والی یہاں سے۔“ ہر مار کی
لمحہ اس دفعہ بھی ان کا ارادہ ڈانواؤں ہو گیا۔



لیکن کچھ دن بعد ہی جرار نے کچھ ایسی بات کی کہ
وہ دوبارہ سے اسلام آباد جانے کے بارے میں سوچنے پر
مجبور ہو گئیں بلکہ سوچنا کیا انہوں نے پکارا کر لیا۔
جرار نے بات ہی کچھ ایسی دل چلانے والی کی تھی۔

”اماں جی کیا خیال ہے یہ گھر اب ہم لوگوں کے
لیے ناکافی نہیں؟ ڈرائنگ روم اور اس لاؤنج کے علاوہ
بس یہ دو ہی بیڈ روم ہیں۔ جاوید بھائی اور بھابھی ایک

آدھ روز رہنے آجائیں تو کتنی پریشانی ہوتی ہے ہم
لوگوں کو لاؤنج میں سوتا پڑتا ہے اور وہ بھی شرمناک
رہے ہوتے ہیں اسی لیے زیادہ دن نہیں رکھتے کہ
میں کم از کم ایک آدھ بیڈ روم مزید ہونا چاہیے یہ سہ پہا
بھی بہت اولڈ فیشن ہے۔“

”ہاں تو ٹھیک ہے، اوپر والوں سے مکان خالی کر دیا
لیتے ہیں۔ اب ضرورت بھی کیا ہے، شکر ہے اللہ کا ہم
بھی کھاتے ہو، جاوید الگ رہتا ہے پھر بھی ہر ماہ اچھی
خاصی رقم بھیجتا ہے۔ اوپر بھی ایسا ہی نقشہ ہے وہی
دو کمرے، لاؤنج، کچن ہاں البتہ ڈرائنگ روم کے اوپر
چھت کھلی ہے۔“

”نہیں اماں۔ صرف جگہ کی کمی ہے تو
مسئلہ محل نہیں ہو گا۔ سب کچھ بنا کر اپنا سا
ہے۔ اب میری آمدنی اتنی تو ہے کہ میں کسی
علاقے میں مزید طرز کی کچھ بھی میں رہائش اختیار کر
سکوں۔“

”اچھا۔ اچھا۔“ اماں جی نم آنکھوں سے سر
ہلانے لگیں۔
”تو تم یہ منصوبہ بنائے بیٹھے ہو۔ باپ نے ساری عمر
محنت کر کے اور ماں نے چھتیں کر کے اینٹ اینٹ
جوڑ کر یہ مکان تعمیر کیا تاکہ بیٹے اپنی چھت کے نیچے
پائیں۔ تم لوگ کیا جانو، کیسا برا دور گزار کے بھی ہم
دونوں نے ہمت نہ ہاری۔ پانی پانی احتیاط سے خرچ کی
تجربہ کیا ہے مکان بنا اور اب بیٹے کی زندگی میں ہی
نہیں۔ اس کے مزید کچھ اور بیٹے ہوئے ہیں
نا۔ ہاں ہاں بیچ ڈالو بیچ ڈالو باپ کے خواب، ماں کی
خوشیاں۔ سب بیچ ڈالو۔“

وہ رقت آمیز لہجے میں کہنے لگیں تو جرار شرمسار ہو
گیا۔

”اماں جی! میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا۔ ہم مکان
نہیں بیچتے، مجھے کمپنی کی طرف سے اون مل رہا ہے اس
سے میں کسی دو سرے علاقے میں گھر خرید لوں گا۔
اس مکان کا دو سرے پورشن بھی کرائے پہ چڑھا دیتے ہیں
یوں کرائے کی رقم سے چند ہی سالوں میں لون بھی اتر

ہوئے گا۔“
”جب رہنا نہیں تو بیویا نہ بیویا ایک ہی بات ہے۔
دل کے ددر میں جب تم لوگ چھوٹے چھوٹے تھے
میں نے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کے بجائے یہ
تیار کر لیا کہ اوپر کے حصے میں انجان لوگ بٹھائے۔
پھر تمہارے اماں جی نے بڑے شوق سے یہ دھجھے تعمیر
کرائے تھے کہ ایک میں جاوید بیوی بیچنے لے کے رہے
ہاں اور دوسرے میں جرار۔ لیکن نہ وہ رہتا ہے نہ ہی
تربیتے پہ تیار ہو۔ غیروں کے حوالے کر دوں یہ
مکان۔ صرف چند ہزار کے لاؤنج میں۔ انجانے لوگ
بٹھاتے پھر اس اوپر بیچتے۔“

”آخر بھائی جان بھی تو دوسرے گھر میں رہتے ہیں۔
نیک ہے ان کا سرکاری بنگلہ ہے گاڑی نوکر چاکر سب
بہنیں و آؤں سرکاری ملازمت کی وجہ سے ہے لیکن
یہ بنگلہ ان سے کچھ زیادہ ہے پھر ہمارے لائف
انسورنس میں کتنا فرق کیوں ہو؟ میں اچھی گاڑی نہیں
خرید سکتا کیونکہ بہت کیراج ہے نہ ہی پورج۔ کلی میں
کھانا کروں تو محلے کے بچے ستیاناس کر ڈالیں۔
روٹھوٹن برا اور پھر شادی کی خوشی میں کوئی گھر پر ڈنر
نہیں ہو سکے۔ کچھ سا ڈرائنگ روم ہے اور پھر وہ جو
گاڑیاں ہوتے ہیں کہاں کہاں کر کے کوئی ایک مسئلہ ہو تو
بتاؤں۔ آخر یہی دل چاہتا ہے چھت کی کمائی کا
مزا لینے کو۔ مجھے بھی اڑھتہ پیر ڈرائنگ روم

تو ملے گا اور پھر کوئی بیڈ روم لگنے لگے ہیں۔ لان
میں چیر کر دو کمرے بنائے گئے، کالٹف میں بھی لیکھا چاہتا
ہوں۔ آخر دادا جی بھی تو کسی اور مکان میں رہتے ہی
ہوں گے لیکن اماں جی نے اپنی اولاد کے لیے اس زمانے
کے لحاظ سے بہترین رہائش تعمیر کروائی۔ اسی طرح میں
بھی اب بدلتے وقت کے تقاضوں کے مطابق اپنی اولاد
کے لیے ایک جدید طرز کا گھر بنانا چاہتا ہوں۔“

اس کے دلائل اماں جی کو خاموش کرا گئے۔ وہ بہت
نی بیٹھی رہیں اچانک انہیں اپنے شانوں پہ کسی کے
گرداز لیس کا دباؤ محسوس ہوا۔ وہ اجیہ تھی۔
”عجیب انسان ہوا! لے کر اماں جی کو پریشان کر کے

رکھ دیا۔ تم تو ہو ہی بے حس۔ کسی عورت کے
احساسات کو تم کیا جانو۔ میں محسوس کر سکتی ہوں ان کی
اس گھر سے وابستگی کتنی شدید ہوگی۔ جب ان سے
شوہر کا ساتھ چھنا ہو گا تو اس محفوظ چھت نے انہیں
کتنا دلاسا دیا ہو گا یہ دیواریں انہیں نعمت لگی ہوں
گی۔“

وہ نجانے کس طرح اس راز سے واقف ہو گئی
نور بی بی کے آنسو اس غمگساری پہ بہہ نکلے لیکن پھر
اجیہ کی تیز ہوتی آواز نے ان کا سابقہ موڈ بحال کر دیا۔

”جرار! تم واقعی بے وقوف ہو۔ تم کبھی کسی کے دل کی
جذبات کا اندازہ نہیں کر سکتے مگر تمہارے دوستوں کو
شرم آتی ہے تو بے شک نہ آئیں ہمارے گھر۔ سنبھال
کر رہیں اپنی لمبی لمبی گاڑیاں اور اگر تمہیں دھوپ
سنکنے کا اتنا ہی ارمان ہے تو چھت پہ رکھی چارپائی کس
لیے ہے۔ جاؤ لیٹو اور سن باتھ لو۔ اپنی فضول سی سٹی
سی خواہشات کے لیے اماں جی کا دل کیوں دکھاتے
ہو۔“

”اونہ، ڈرامے کرنا کوئی اس چلتر سے سیکھے۔“ وہ
زہر بھرے انداز میں سوچنے لگیں۔

”گھنٹی، جیسنی، دل ہی دل میں اسے صلواتیں
ساتتے ہوئے انہوں نے اندازہ لگایا کہ ہونہ ہو جرار
کے دماغ میں یہ ماڈرن طرز رہائش کا خیال اسی نے بھرا
ہو اور اب بھولی بننے کا ڈھونگ رچا رہی ہے ورنہ جرار
اتنے سالوں سے اسی دو منزلہ مکان میں آرام سے رہتا
چلا آیا ہے اب کیوں برا لگنے لگ گیا، کیوں تکلیف
ہونے لگ گئی۔ سو یکدم نتیجہ پہنچ گئیں۔

”اس آرام طلب کو بھانا ہو گا وہ موا کھڑے ہو کے
کام کرنے والا باورچی خانہ، جس میں الماریاں ہی
الماریاں چاروں طرف منہ پھاڑے کھڑی ہوتی ہیں۔
اس کا اپنا جی کرتا ہو گا گھاس یہ لوٹیاں لگانے کا۔ لمبی لمبی
گاڑیوں میں بیٹھ کر سپر سائے کرنے کو، کیسے ماں کے
دل کو مسل کر اسے محل کی رانی بنانے چلا ہے۔ یہ بھلا
اس قابل ہے کہ کوٹھی بنگلہ سنبھال سکے۔ دو کمروں کا
گھر بھی سنبھال لے تو غنیمت۔ یہ تو میرا دم ہے کہ کہہ

اس نے اہل کے اپنے گھرانے کے فیصلے کو بے حد سراہا۔
 "تیس بہت سے پتلے سے کتا تھا اہل! آپ کو یہ سب بتاتا ہے۔ اسلام آباد کی آب و ہوا آپ کو موافق ہے۔ لاہور میں تو آہنگی اس قدر زیادہ تھی کہ اچھا خاصا تندرست شخص بھی بیمار ہو جائے۔ یہاں رہنے سے دیکھیں گے کہ آپ اپنی صحت میں کتنی خوشبو اور تبدیلی محسوس کریں گی۔"

"میں تو یہ سب آئی ہی تھماری اور افراج کی خوشی کے لیے ہوں بیٹا۔ لیکن اتنے سادہ سادہ رکھے جزار کو وہ تم سے چھوٹا ہے اور شہنشاہ سے ہی ذرا کم محض اور لاہور بھی۔ میرے لیے تم دونوں ہی ایک سے ہو گھراتے اس کی بنا پر واہ نظرت اور پچکانہ خادوں کی وجہ سے اہل کی زیادہ ضرورت ہے۔ تمہاری طرف سے تو میں افراج کی وجہ سے بھی بہت مطمئن ہوں۔ کتنی ذمہ دار اور سکھڑ ہو ہے میری اس سادہ سادہ جزار سے بڑھ کے کھلنڈرے مزاج اور بے فکری آگلی۔ اس لیے بیٹا۔ وہ تمہیں جوڑ کر ہمیشہ کے لیے تو تمہیں نہیں آسکتی۔"

نور بی بی نے انہیں جزار اور اپنے درمیان ہونے والی بات سے آگاہ نہ کیا۔
 "اور بیٹا! صحت کی تم نے اچھی کمی چلاؤ میرے پیچھے رہو۔ کاہلہ ہر میں چلنے والی جنٹلی ولینوں اور رشتوں سے چلتے دھوئیں نے ہنس مار دیا۔ کھاسی جان ہی نہیں چھوڑتی۔ لیکن تمہیں کیا ہوا، کب سے دیکھ رہی ہوں برابر کھانے چھے جارہے ہو بڑھے باؤں کی طرح۔ آنکھیں سوچی سوچی بے رونق۔ ہونٹ کتنے سیاہ پڑ چکے ہیں اور یہ بال۔ ارے یہ بال کس تیزی سے گر رہے ہیں تمہارے ہاتھ نظر آنے لگا۔ کیا حال کر رکھتے اپنی صحت کیا۔"

انہوں نے غینک کے میٹروں کے پھلے سے خوب جائزہ لے کر تبصرہ کیا۔ جاوید سر پہ ہاتھ پھیر کر کھسیاں سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔ نور بی بی نے سوائیہ نظروں سے بہو کی جانب دیکھا وہ لالچلی سے پلیٹ میں پڑا

میں سب سادہ کھاری تھی۔
 "اہل کی! خواہ خواہ نظر نہ ہوں۔ میری جہت میں ایسی جہت ہزاروں فکریں۔ پریشانیوں۔ مہربانوں۔ تسلیوں۔ راہ منتخب کرتے ہوئے سارا دن گیس لگاتے ہوئے آنکھ بند کر کے فائلوں پر دستخط کرنے کے بعد بھاشاں بھاشاں آجائیں لیکن فرض شناسی کے سبق آپ سے ہی سیکھ رکھے ہیں پھر کو تباہی کیسے سرزد ہو۔ پورا سر کھانا پڑتا ہے۔ یہ اور کچھ نہیں صرف ذہنی وجہی آٹھن کے آثار ہیں جو چہرے سے نظر آ رہے ہیں۔ رہے بل۔ تو سمر کا بھی تو کچھ تہنسا ہوتا ہے۔ اسے پورا کر لیتے ہیں۔"

"کیسی کون سی چال چلی ہے تمہاری گھر میں۔ میںوں میں سارا دن کا فرق طے کر لیا۔"

"چھوڑو میں تانی۔! آپ کیا پور بحث لے رہے ہیں۔ گھنٹیں۔ یہ گجر کا حلوہ چکھیں۔ یہ میں نے خود بنایا۔"

افراج کے یوں بولنے پہ وہ چونک کر چپ ہو کر گھبر گیا لیکن اس کی سرکائی بلوریں رکالی میں بھابھ اڑاتے سرخ سرخ حلوے کی منگ لے تاکو ارنی کے اثر کا قابض آ گیا۔

"اچھا تو یہ تم نے بنایا ہے؟ میں تو سمجھ رہی تھی کہ یہ موا پھیر ہی سب پکا کرتا ہے۔ ہائے ہائے تم بخت کی موچیں ہیں کہ بوڑھے برگد کی جڑیں۔ تم تو ماشا اللہ اچھا پکائی ہو پھر اس حلوے کو کھانا گھسار رہا ہے۔"

"مئی! اسے میں نے گھر میں نہیں گھسار کھا بلکہ یہ اس گھر کے ساتھ ہی ملا ہے۔ رہا سوال میرے پکانے کا۔ میں کچن کے کام سے بالکل نہیں گھبرائی۔ جاوید کی تو بن کو آس میں ہوتے ہیں مجھے خاص لہجہ کی عادت نہیں۔ فزوت سادہ دیا جس دن نمولے لیتی ہوں لیکن یہ جو چار پانچ ماٹرن ہیں ان کے لیے بھی دن میں دو بار پکاتا ہوتا ہے۔ رشید کے ذمے ان کا کھانا پکانا ہے ویسے بھی وہ صرف یہی نام روزمرہ کے کھانے جیسے آلو گوشت، دال چاول، بھجیا وغیرہ ہی ٹھیک پکا سکتا ہے۔"

تین کا یہ پلاؤ اور کڑائی گوشت میں نے ہی بنایا ہے اور یہ کباب بھی میرے ہاتھ کے ہیں۔" تم تو بھلی میری طرح پھرتی ہو۔ ابھی کئی پن میں اور ابھی بیڑ بھردی۔ انہوں نے حلوے سے پیالی اوپر تک پہنچا۔
 "نور! افراج کی والی کو کنگ مجھ سے نہیں بولی۔ میں نے کاشما سالن آتا ہے۔ بس ایک دو دن لگا کر فز کر دیتی ہوں خاص خاص آٹھ۔ جیسے دو تین طرح کے کباب بنا کے فریز کر دیتے، پلاؤ کے لیے دو تین کلو گوشت ابل کر گوشت اور کچنی الگ الگ محفوظ کر دیتے، مالک، کلیم، مشرک، جگر، گلا کر پیٹ بند کر کے رکھ دیتی ہوں۔ رشید کو خاص ہدایت ہے میرے آنے سے پہلے۔ رشیدی کر کے رکھ دے۔ پھر کام ہی کتنا ہوتا ہے۔ رشت بھوتا، سبزی ڈالی، دم پہ رکھی، تلنے کے پکانا، رشید کے سپرد۔"

اس کی ساری تفصیل سن کر گاجر کے حلوے کا پہلا چوبی نور بی بی کے منہ میں ایسی کی طرح جم گیا۔ بڑی شکل کے ساتھ اسے نگل کر ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔
 "یہ حلوہ کب بنے گا؟"

"ستائیسویں روزے کو کرینڈا انتظار پارٹی کی تھی۔ اس میں کباب پکاؤ اور گلاب جامن کے ساتھ یہ حلوہ بھی بنایا جائے۔ دو دنوں میں تمہیں ایک ہاشمی صاحب کی دعوت میں تمہیں ہونا پڑے گا۔"

نور بی بی نے ان کا کچھ بھرنے سے پہلے دل لگی ہل میں حساب لگایا۔ گاجر کے ڈیڑھ مہینہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے پالی پرے سر کا دی۔ اور بے یقینی سے خوش رنگ و خوشبودار حلوے کو دیکھنے لگیں۔
 "اتنے پرانے پرانے کھانے۔ یہ تو جی صحت کے لیے بہت۔"

"اوفار گیٹ اٹ می! ما سیکرو ویو کس لیے ہے۔" اس نے جیسے ہاتھ سے کھسی اڑائی۔ "آپ کو ٹیسٹ میں کوئی فرق لگا؟"

نور بی بی چاہتے ہوئے بھی آڑگی میں کوئی نقص نہ نکلیں۔

"ہاں مگر چینی کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ احساس ضرورت سے زیادہ ہے۔"

افراج کوئی جواب دے بغیر اپنے گلاس میں لیموں نچوڑنے لگی۔ جاوید ویسے بھی جب چاہے بیٹھا کھا رہا تھا، اپنی بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھ کر انہیں شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ ان دنوں کی طرح انہوں نے بھی خاموشی میں ہی پنہاں لگی۔

"اے سے، یہ اتنی زیادہ مرچیں کیوں جھونک دیں ہاندی میں۔ غضب خدا کا، پچی کے بجائے ڈوٹی سے ہی مسالے ڈال لیا کرو میاں۔"

پچن میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے نور بی بی کی نظر پچی میں مرچیں ڈالتے رشید پر پڑی اور انہوں نے فوراً ٹوک دیا۔
 "ہم میں سے کوئی پھینکا کھانا نہیں کھا تا بی بی! صاحب اور بی بی دونوں دو سیر میں کھانا نہیں کھاتے۔ یہ ہم ملازمین کے لیے ہے اور آپ کے کھانے کے بارے میں ابھی بی بی بتانے آئیں گی۔"

"ہیں۔ یہ تین تین ہاندیاں، تم نے اپنے ٹولے کے لیے چڑھا رکھی ہیں۔ دیکھو تو۔ پچھنی سے آگے ہو کر انہوں نے چولہے پر رکھی۔ پچیوں کے ڈھکن اٹھا کر جھانکنا شروع کر دیا۔ بڑی دیکھی میں سادہ ابلے ہوئے چاول دم پہ تھے۔ چھوٹی میں ثابت مسور کی دال پک رہی تھی۔ چھوٹے والے چولہے پہ رکھے فرانگ بین میں رکھا تھی شاید اسی پہ تڑکا لگانے کے لیے گرم ہو رہا تھا۔ قدرے اطمینان سے جیسے ہی انہوں نے پرشر کر کا ڈھکن کھولا، عیش سا آ گیا۔ بکرت کے گوشت کا سالن، ہرے دھنیے اور ہری مرچ سے سجا دھواں دے رہا تھا۔

"مرن جو گے۔ یہ کلو بھر گوشت کیا اپنے عرصے کی خوشی میں چڑھا رکھا ہے۔ توبہ توبہ۔ کتنے پختے پڑ رہے ہیں اس گھر کے ملازم۔ ایک وقت میں تین تین پکوان۔ مالک دفتر میں چائے کے ساتھ بسکٹ

زہر بار کرے، تاکنن کا جرم کوئی چبائے اور یہ تو کبوں کی فتح ہوئی، ہون ہون کر پیش کرے۔ تب ہی اتنی جہلی چڑھی ہوئی ہے۔

”کیا ہوا می! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟“ افراج سر اسٹم سے انداز میں اندر داخل ہوئی اور باری باری اماں جی کے غضب ناک چہرے اور رشید کے ناگوار انداز کو دیکھنے لگی۔

”بی بی! آپ ہی بتائیں بڑی بی بی کو۔ آپ کے بتائے چارٹ کے مطابق ہی میں ملازمن کے لیے کھانا بناتا ہوں یا نہیں اور یہ الزام لگا رہی ہیں کسے خیر جانے دیں۔ بزرگ ہیں اس لیے شکایت نہیں کر رہا مگر بی بی! اتنے سخت الفاظ ہم نے نہیں کبھی سنے۔“ وہ منہ بنانے لگا۔

”اوہ می! آپ کیوں خود کو پریشان کر رہی ہیں۔ چلیے پلیز! میں نے حکیموں سے کہا ہے وہ آپ کے سر میں مائش کر دیتی ہے۔ آپ نمادھو لیجئے۔ میں کل مارکیٹ سے بہت اچھے سوٹ پیس لائی تھی آپ کے لیے۔ وہاں سے سیدھا ٹیلر کے پاس گئی اور ڈبل ریش پر جو پیس گھنٹے کے اندر سلنے کا آرڈر دیا۔ ابھی ڈرائیور لے کر آئی ہو گا چاروں سوٹ۔ دو تو مرینہ کے ہیں، ایک اسٹون واٹش کا اور ایک ویلوٹ سلک کا۔“

”بٹی میں لائی تو ہوں اتنا ڈھیر کپڑوں کا۔“ وہ حیران تھیں، ایسی کیا افزائش آن پڑی جو فوری طور پر دگنی سلائی کے ساتھ چار چار سوٹ بنوائے گئے۔

”وہ می۔۔۔ اچھو ٹکی۔۔۔ لاہور کی نسبت یہاں کا موسم ابھی سرد ہے۔ کاشن اور ہلکی سی لینن میں گزارا نہیں ہوتا۔ مجھے ڈر تھا آپ کی طبیعت نہ خراب ہو جائے۔ ویسے بھی جاوید جی کے کچھ دوست آج گھر پہ انوائٹڈ ہیں اپنی فینیلز کے ساتھ۔ آپ ایسا کیجئے گا کہ وہ پلیس سوٹ پہن لیجئے گا۔ میں ذرا پارلر تک جا رہی ہوں، بس ڈیزے دو گھنٹے تک آجاؤں گی۔ آپ رشید کو بتادیں، لیج میں کیا لیں گی۔“

نور بی بی فوری طور پر کوئی جواب بھی نہ دے سکیں کہ افراج واپس پلٹ گئی۔ وہ جواب دیتیں بھی کیا دیکھ

رہی تھیں، افراج کم بلکہ بہت کم بولتی ہے اور بلا ضرورت تو ہرگز نہیں۔ اس کی کوشش ہوئی کہ اگر زبان ہلائی ہے تو سب ہدایات، تفصیلات ایک ساتھ ہی بیان کر دی جائیں۔ اس وقت بھی اس نے حسب عادت موسم کی سختی کا ذکر، ساس کی صحت کے بارے میں فکر مندی کا اظہار، مہمانوں کی آمد کی اطلاع، پلیس سوٹ پہننے کی ہدایت اور اپنے پارلر جانے کی خبر سب کو اکتے ہی منٹا دیا۔ نور بی بی سر ہلانے لگیں۔

”اسے کہتے ہیں، کم بولنا اور ناپ تول کے بولنا۔ سیانے پن کی نشانی ہے یہ تو۔ اور وہ ہونتی آجیہ! اگر یہ جانا ہو کہ فلاں، ہسائی، پیارے تو پہلے اس قدر ہی تمہید باندھے گی، اتنی بیماریاں بتائے گی، پھر تعلقہ بیماریاں پر روشنی ڈالی جائے گی پھر کہیں جائے گا، پھر ہسائی کے نام پر سب کے بارے میں انکشاف ہو گا، اتنے میں چاہے وہ جان سے گزر چکی ہو۔“

”ہاں بڑی بی بی! کیا بولیں؟“ رشید کی اکتائی آواز نے ان کے خیالات کا تسلسل توڑا۔

”چپ کر بے ہدایتا! تمہیں تک نہیں پکارنے کی۔ کیا بڑی بی بی کی رٹ لگا رکھی ہے۔ تم اپنی دعوت کی کرسیں پوری کرو، میرا رہنے دو۔ بنا لوں گی خوشی، کھنہ۔“

حکیموں سے کھوپرے کے تیل کی مائش کرانے میں واقعی مزا آگیا اور سے وہ قصے بھی مزے کے سنائی تھی۔ اتنے میں ڈرائیور کیوں کا تھیلالے کے آگیا۔ نور بی بی نے اس کی طرف سے ایک لمبے ایک بڑے کے عمدہ جوڑا تھا۔ ہنسی والی کرم مرینہ کے دونوں سوٹ برنڈ قینٹوں، سانہ شلواریوں اور بارڈر والی چادروں پہ مشتمل تھے۔ سفید زمن کا اسٹون واٹش کا وہ سوٹ کس قدر پیارا لگ رہا تھا، جس پہ گلابی اور آسمانی رنگ کے چھوٹے چھوٹے پتے تھے اور سلک ویلوٹ کا وہ پلیس باوای رنگ کا نرم و ملائم سا سوٹ، جس کے بارے میں بہو خاص ہدایت کر کے گئی تھی کہ آج شام کو یہی پہننا ہے، اس کی قیص کے دامن اور لاپٹے کے چادروں طرف باریک سی تیل کا ڈھی گئی تھی جس نے سوٹ کو

اور بھی باوقار کر دیا تھا۔ نور بی بی نے خوشی خوشی نمادھو کے ہی سوٹ پہن لیا۔

آنے والے مہمانوں میں سب ہی خواتین تقریباً افراج جیسی ہی تھیں۔ لیکن صرف عادتاً ”یا مزاجا“ جہاں تک شکل و صورت کی بات تھی، نور بی بی کو اپنی ہون کے درمیان ایسے لگ رہی تھی جیسے بد شکل ہو ان کا آواز اور بد ہیئت لہجوں کے درمیان کوئی راج ہنسی سر اٹھانے بیٹھی ہو۔ کہاں وہ بچی عمروں اور خرائٹ چہروں والی بیگمات اور کہاں افراج۔ آخری رنگ کے بالوں کے گھٹنے گھٹنے گھٹنے گردن کی خفیف سی حرکت کے ساتھ صراحی وار مغزور گردن پہ بکھر بکھر جاتے اور وہ تمام کے تمام مرید۔ وہ سب بھی شاید جاوید ہی کی طرح، وہی جسمانی تکان، بڑا شکار تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسا کہ رنگت، سبھی سبھی آنکھوں میں لال ڈورے، اور بولنے سے پہلے ہی ہنسنے اور نیچے سے لٹکے ہوئے سیاہ بڑے ہونٹ اور آگے کو نکلتی توندیں۔

نور بی بی، جو کہ زبردایت تیار ہو کے نیچے اتریں اور بڑی سہولت سے بن کے بیٹھ گئیں۔ افراج نے ان کی ہنسی ہونے جھانکی اتار کے کونے ٹاپس پہنا دیے تھے۔ کچھ ہی خانہ کلاں کا طلالی ٹاپس بھی ڈال دیا۔ ابھی انہیں باہر بیٹھنے ہی درپور ہوئی تھی کہ افراج بڑے چونکنے کے انداز میں گویا ہوئے۔

”اوہ می! آپ کی میڈیکل کون کا نام ہو گیا۔ سڑک آگے اور پھر چھوڑیں۔ آپ کو روم تک چھوڑ آؤں۔ ساتھ میں آگے کے وہ ہکا بکا بیٹھی ساس کو ہاتھ سے تھام کے باہر لے گئی۔

”اے کون سی نرس اور کسی دوایاں۔ میں تو بس صبح ناشتے کے بعد بلڈ پریشر کی گولی لیتی ہوں اور رات سونے سے پہلے وہ گیس کا چورن پجاتی ہوں اور اب یہ کون مولی نرس ہے جو ششے دوایاں پلانے آگئی۔“

”اوہ می! سمجھا کریں نا، یہ بھی اب اسٹینس سہیل بن چکا ہے کہ پیرٹس کے لیے نرس یا اینڈنٹ ارتج کیا جائے اور ویسے بھی آپ وہاں ان کی فضول باتوں

سے بور ہی تو ہوں گی۔“

”ہاں واقعی۔۔۔ نجانے کیا گٹ پٹ گٹ پٹ لگا رکھی ہے ان کھڑکنہوں (کھڑے کانوں والی) نے۔ ایک جملہ ہی پورا اردو میں بولنا ان کے لیے مشکل ہے۔“

کمرے میں کچھ ہی دیر اکیلے بیٹھنے کے بعد ان کا جی گھبرانے لگا اور وہ حکیموں سے گپ شپ لگانے کے لیے پھلنے لگیں، فوراً ”اے بلا لیا۔ کمرے میں آتے ہی حکیموں کی نظر ہی سنوری اماں جی پہ پڑی، وہ چونک سی مہنگی اور سوچی نظروں سے انہیں دیکھتی قریب بیٹھ گئی۔

”جی اماں جی۔ تسمی بلایا؟“

”ہاں حکیموں، ذرا یہ کاندھے تو دبا جا، واقعی یہاں تو بڑی ٹھنڈ ہے۔ میرے پیچھے آکر گئے ہیں۔“

”اماں جی! یہ جوڑا جو آج آپ نے پہنا ہے۔“ مستعدی سے کاندھے دباتی حکیموں نے ان سے پوچھنا چاہا تھا لیکن وہ اس کا سوال پورا سننے سے قبل ہی بتانے لگ گئیں۔

”ہاں یہ جوڑا۔۔۔ اچھا ہے نا۔ افراج نے بنوایا ہے۔ کتنا خیال ہے اسے اپنی ساس کا۔ میں تو ٹھہری سیدھی سادی پنڈوسی عورت۔ ہوتا تھا کسی زمانے میں مجھے بھی سنورنے کا شوق۔ پھر۔۔۔ ہک ہا۔۔۔ جوانی میں ہی بیوگی نے سارے ارمان مار دیے۔ بس ضرورت پوری کرنے کو کپڑا لٹا بنا لیا۔ سال میں پانچ سات جوڑے۔ دو گری کے دو سردی کے دو باہر آنے جانے کے۔ بٹی بھی کوئی نہیں جو خیال رکھتی۔ سب ملنے جلنے والے بھی پوچھتے ہیں، نور بی بی، اب تو دو دو ہوئیں آگئی ہیں، اب تو تمہارے عیش کرنے کے دن آگئے۔ میں کہتی ہوں انہیں کہ کیا خاک پہنائے اور ڈھائے گی میری ہو مجھے۔ وہ تو اپنی خریداری کے لیے مجھ سے گھنٹوں مشورے مانگتی رہتی ہے۔ کپڑا لے کر آئے گی، تو سینے سے پہلے ڈیزائن پوچھے گی، لیس مجھ سے پسند کروا کر لگائے گی۔ یہ میں اپنی چھوٹی بہو کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔ اصل بی بی ہونے کا حق تو

افران نے دیکھا تو ڈرا گیا۔ اسے جوڑے ہو کر
 بیٹھنے لگا۔ وہ اسے دیکھ کر راضی ہی نہیں
 تھی اس قدر قیمتی اور خیر لہذا ہے لیکن افرا نے ہی
 نہ کی۔ کہہ رہی تھی گھر پہ مہمان آ رہے ہیں اس
 لیے۔

”لیکن اہل گھر۔ یہ والا جوڑا۔“

”اور مہمان بھی کیسے عجیب۔ مجھے تو ذرا پسند
 نہیں آئے۔“ حکیموں کی بات ان سنی کرتے ہوئے وہ
 اپنی ہی کہتی رہی۔

”میں اپنے جاوید کو دیکھ دیکھ کے سستی تھی کہ
 ہائے ہائے میرا پھیل سا بچہ۔ کیسے سال بھر میں مر تھا
 کے رہ گیا۔ اور یہ تو سارے کے سارے۔ اے آگ
 لگے ایسی سرکاری نوکری کو جو بندے کا خون تک خوڑ
 کے رکھ لے۔ اس سے تو میرے جزار کی نوکری بھلی
 ٹھیک ہے۔ خالی خولی تنخواہ ہی ملتی ہے نہ بنگلہ نہ نوکر
 چاکر نہ بی گاڑی لیکن بندے کے ہوش تو ٹھکانے
 رہتے ہیں۔“

”اہل گھر۔ بی بی جی نے اور بھی جوڑے بنائے ہیں
 آپ کے لیے؟“ حکیموں نے بے چینی سے پوچھا۔ نور
 بی بی نے ہاتھ سے بیز کے اس طرف اشارہ کیا۔

”وہ والا تھا اور کھڑے۔ یہ دیکھ یہ تین جوڑے بھی
 آتی ہی بل کے آئے ہیں۔“

حکیموں آنکھوں میں الجھن لے شایگ بیک میں
 سے سوٹ نکال کر کھول کھول کر دیکھنے لگی۔ اس کے
 چہرے پہ پھلے عجیب سے تاثرات نور بی بی کو چونکا
 گئے۔

”کیا بات ہے حکیموں!“

”وہ اہل گھر۔ ہا نہیں مجھے کہنا چاہیے کہ
 نہیں۔ لیکن بات ہے اتنی عجیب سی۔ کہ مجھ سے
 بالکل برداشت نہیں ہو رہی بلکہ اتنا برا لگ رہا ہے
 آخر بی بی نے ایسا کیا ہی کیوں؟ آپ کوئی ایسی دیکھی تو
 نہیں۔ ہونے والی ماکن ہیں تو آپ بڑی ماکن۔“

”کہنا کیا چاہتی ہے تو۔ ٹھیک ٹھیک بتا۔“

”ویسے تو آپ کا یہ جوڑا دیکھ کے ہی مجھے شک سا

ہوا تھا لیکن یہ پائی تین دیکھ کے تو پکا یقین ہو گیا۔ سارے
 بات سمجھ میں آئی۔“

”بول اب بتا بھی کہ کیا بات۔“ وہ بے چینی اور
 حیرت سے۔

”میں کہ بی بی جی نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ ابھی
 پچھلے ہی میں نے بی بی جی کی می می میں ایک ہفتہ رہ کے کئی
 ہیں۔ یہ سارے کپڑے ان ہی کے ہیں۔ میں نے یہ
 چاروں جوڑے انہیں پہنے دیکھا ہے۔“

”کیا بکواس کر رہی ہے؟ داغ تو نہیں خراب ہو
 گیا؟“

نور بی بی بھڑک اٹھیں یہ بات سن کر۔ دل چاہا کہ
 حکیموں کو چوٹی سے پکڑ کے گھمراؤ ایڑوں پر دھونے کرے
 میں۔

”قسم۔ لے لیس جی۔ شک کی کوئی گنجائش ہو نہیں
 میں دن رات ان کی خدمت میں حاضر رہی ہوں۔

کپڑے دھوئی بھی لیگی۔ پھرتی بھی کرتی تھی یہ سوچنے
 کے پیکھیں ذرا خوشبو بھی آ رہی ہے۔ وہ یہی خوشبو
 لگاتی تھیں اتنی تیزوانی کہ دھونے کے بعد بھی ہلکی ہلکی
 آتی رہتی ہے۔“

بدھم ہی خوشبو تو نور بی بی کو بھی پہننے کے بعد
 محسوس ہوئی تھی۔ لیکن وہ سمجھیں شاید یہاں کے
 درزی کپڑا سینے کے بعد خوشبو بھی لگا دیتے ہوں۔

لوگوں کی بڑی باتیں۔ لیکن اب ان یہ واضح ہوا کہ
 بڑے لوگ کبھی کبھی اتنی چھوٹی بات سمجھ کر کہتے
 ہیں۔ آہ۔ گھوٹی ہی نوکریانی کے ساتھ انہیں اپنا

آپ بڑا بے مایہ برا حقیر سا لگا۔ مرے مرے ہاتھوں
 سے اپنے شانے پر سے اس کے ہاتھ سرکائے اور نظر

پھیر کے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ سدھن کی آترن
 انہیں بدن پہ کانٹے کی طرح چبھنے لگی جو شاید وہ بیٹی کے
 گھر اس لیے پھینک گئی ہو کہ کسی غریب نوکریانی کے

کام آجائے گی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس
 عفتوت سے نجات حاصل کی پھر دوبارہ سے بستر پہ آ کے

چپ چاپ ڈھمے لگیں۔ آنکھیں اتنی بے یقین سی
 تھیں کہ آنسو تک آنے سے کترار ہے تھے پھر جیسے

پہننے لگا۔ پتلی گرائیوں نے صاف صاف بات کرنے
 کر لیا۔ یہ حرکت حکیموں کے چلن کا نتیجہ بھی
 تھی۔ اور اگر واقعی ہونے لگی کسی حرکت کی
 تو پھر جاوید کے علم میں لانا ضروری ہے۔ ویسے ہی
 کے گھر سے نکلیں، اندر سے آتی اس کی
 بازو رک جانے۔ مجبور کر دیا۔

”میرا فرض کیسی؟ میرا حافظ اتنا کمزور نہیں۔
 وہ بلا فرض کیسی دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔“

نور بی بی کو اس سوٹ میں دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔
 جاوید کی طیش بھری آواز۔ انہیں ذرا سا حوصلہ ہوا
 اب خود سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بیٹا

نے آپ ہی بیوی سے جواب طلبی کر رہا ہے۔
 پہچان گئے تو کیا تیر مار لیا۔ آہستہ بات کرو مجھ

دن بدن تمہاری آواز بلند ہوتی جا رہی ہے۔
 دلچ کے نکالنا رعب بھرے انداز پہ نور بی بی ہکا بکا

کہتے۔ انہوں نے اپنی اس ہسو کے یہ انداز بھلا کب
 پہننے لگا۔

”میرا تعلق جس خاندان سے ہے وہاں ہمیں بچپن
 سے ہی تربیت دی جاتی ہے کہ کس شخص سے کس
 درجہ پیش آنا ہے۔ سب سے ان کی اوقات کے

مقابلہ کرنا ہے۔ اور انہیں اس سے کٹ
 نہیں۔ کر پہننے کی نہیں۔ میں بریزے کی چکن
 کھینچ کر کھانے کر کے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ جو می

کے صرف ایک بازو کے سینے سوٹ میں کے اندر رکھ دینے
 سے یہ بھی کبھی خواب میں نہ دیکھے ہوں۔ انہوں
 نے ان سے یہ بھی نہیں دیکھا۔“

”لیکن اگر انہیں پہچان گیا تو۔“ جاوید منمنایا تھا
 اور اس کی بدھم سی کمزور سی منمنائش نے نور بی بی
 کے پیروں تلے زمین سرکادی۔

”کون بتائے گا انہیں؟ تم؟“ وہ پھر کرائی ”کم از کم
 نہاری تو اتنی ہمت نہیں ہوتی جا۔ یہ۔“ بڑا حکیموں
 سے برا لگھ جوڑو ہو رہا ہے آج کل تمہاری ماں کا خدا کا

بند ہے انہیں سمجھا دیتے دن میں رہتا ہے ذرا
 زنت سے رہ لیں۔ یوں نوکروں کے ہمدانوں کے ساتھ
 ہٹا جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ ایک تو یہ غریب غراب

نور بی بی نے اسے دیکھ کر ہنس کر کہا۔

لوگ ذرا سے اور آ کے نوکر رکھنے کے قابل ہو جی
 جائیں تو نوکر رکھنے کا ایسا ہرگز نہیں برت سکتے۔ آخر
 مالک اور نوکر میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔ جب وہ
 اسے برابر میں بٹھا کے اپنی جوانی اور بچپن کے قصے
 سنائے جارت ہیں۔“

”وہ یہ میں اکیلا پین محسوس کرتی ہیں۔ حکیموں سے
 بھی بات نہ کریں تو کس سے کریں۔ ایک ہفتہ ہو گیا
 ہے انہیں یہاں آئے لیکن تم نے ایک گھنٹہ تک کے

ان کے ساتھ نہیں گزارا۔ کل بھی وہ گلہ کر رہی تھیں
 کہ تم تو نوکری کے ہاتھوں مجبور ہو۔ سو بھی کبھی پاس
 بیٹھ کے دکھ سکھ نہیں کرتی۔“ جاوید نے من و عنان ان
 کے الفاظ دہرائے۔

”دکھ سکھ؟ مائی فٹ۔ ٹو ہیل وڈ یور مد رائنڈ ہر دکھ
 سکھ۔“

افرا ج کے زہریلے انداز میں کہے یہ الفاظ نور بی بی
 کے سر سے گزر گئے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک وہاں
 کھڑی تھیں کہ شاید اب تو جاوید ماں کی اس درجہ
 تذلیل سے بول اٹھے گا۔ اگر ان چند الفاظ کا مفہوم
 بھانپ لیں تو کھڑے قدموں گر جائیں۔

”اگر ٹھیل کھاس والی غیبتیں کرنے کا اتنا ہی شوق
 ہے تو اپنے گھر جا کے کریں، اس دو سری والی کے
 ساتھ۔ وہ بڑی بچے گی ان کے ساتھ ”دکھ سکھ“ کرتی
 ہوگی۔“

”اپنے گھر۔“ نور بی بی نے سرد آد بھری۔ بوڑھی
 آنکھوں سے دو آنسو پھسل گئے۔

”یہ بھی ان کا اپنا گھر ہے۔“ جاوید نے ہمت کی۔
 ”اوٹ نہ اپ۔“

”تمہارے سارے کس بل تو میں ایک جھٹکے میں دوڑ
 کروں گی۔ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔“

نور بی بی کو یہ الفاظ بڑے جانے پہچانے سے لگے
 انہیں یاد آیا یہی الفاظ اکثر اجیہ کی زبان سے بھی ادا
 ہوتے تھے اور وہ کلس کلس جاتیں لیکن افرا ج کی زبان

سے جملے کچھ زیادہ ہی عجیب لگ رہے تھے انہوں
 نے ذہن پہ زور دیا کہ آخر کیا فرق تھا اجیہ کے کہنے میں

